۲۲ر فروری ۱۹۶۲ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

رجسٹرڈ نمبر ایل ۹۲۲
فون نمبر ۲۹

اسسٹنٹ ایڈیٹر
آل احمد سرور

اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

قیمت سالانہ چھ روپے
قیمت فی کاپی ۲۰ پیسے

جلد ۲۳ | انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) | شمارہ ۸

آل احمد سرور

سجاد مرزا

۲۱ر جنوری ۱۹۶۲ء کو حیدرآباد میں مولوی سجاد مرزا کا انتقال ہوگیا۔ مرحوم مولوی عزیز مرزا کے تیسرے فرزند تھے۔ مولوی عزیز مرزا نے اردو زبان و ادب کی بڑی خدمت کی تھی۔ وہ انجمن ترقی اردو کے سکریٹری بھی رہے تھے اور انھوں نے اس ادارے کی ترقی کے لئے بڑا جامع پروگرام بنایا تھا مگر موت نے اس کی تکمیل کی فرصت نہ دی۔ ان کے سب لڑکے ممتاز عہدوں پر فائز رہے اور اپنے اپنے شعبوں میں نام پیدا کیا۔ سعید مرزا میر مجلس عدالت العالیہ حیدرآباد اور محمود مرزا آندھرا پردیش ہائی کورٹ کے جج رہ چکے ہیں۔ بابر مرزا مشہور عالم حیوانیات ہیں جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں برسوں حیوانیات کے شعبے کے صدر رہے اور اب جرمنی میں مقیم ہیں۔ سجاد مرزا صاحب ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے بین الاقوامی شہرت کے مالک تھے۔ وہ حیدرآباد میں ٹریننگ کالج کے پرنسپل، ناظم تعلیمات اور معتمد محکمہ تعلیمات رہے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے پر انھوں نے چار سال لیبیا میں اقوام متحدہ کے تعلیمی مشن کے سربراہ کی حیثیت سے گزارے۔ وہاں سے واپسی پر وہ برابر تعلیمی اور علمی مسائل پر لکھتے رہے۔ اردو زبان سے انھیں عشق تھا اور انھوں نے اس کی توسیع اور اشاعت کے لئے بہت سے کام کئے۔ اردو ٹائپ رائٹر کو بہتر بنانے کے لئے ان کی کوششیں نظر انداز نہیں کی جا سکتیں۔ مگر ان کا سب سے بڑا کارنامہ "بنیادی ٹائپ" ہے، جس کو انھوں نے جدید ترین ضروریات کے مطابق ڈھالا تھا۔ اس ٹائپ کی خوبی یہ ہے کہ اس میں ہر حرف کی دو شکلیں ہیں ایک پوری اور ایک آدھی۔ اس طرح کرسی بہت کم ہو جاتی ہے اور بچوں اور بالغوں کو اردو رسم الخط سیکھنے میں بہت آسانی ہوتی ہے۔ انھوں نے نہ صرف اس ٹائپ کی خصوصیات پر کئی مضمون لکھے، بلکہ اردو رسم الخط پر ایک کتابچہ بھی شائع کیا جس سے ان کے گہرے مطالعے اور علمی نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ بنیادی ٹائپ میں انھوں نے کچھ کتابیں بھی شائع کرائی تھیں جن میں سے ایک "یوگ" میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے۔ ۷۰ سال کی عمر میں ان کا انتقال اردو زبان و ادب کے لئے ایک بڑا سانحہ ہے۔ سجاد مرزا صاحب کا قومی نقطۂ نظر، وسیع علم، اردو زبان سے عشق، حالات حاضرہ پر عبور، اب کہاں ملے گا۔ ان کے ساتھ علم کی ایک روایت ختم ہوگئی، افادیت کا ایک چشمہ خشک ہوگیا، تہذیب کی ایک اور شمع گل ہوگئی۔

سجاد مرزا صاحب کو میں ۱۹۳۷ء سے جانتا تھا۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی جوبلی علی گڑھ

جب غالباً [illegible] میں ہوئی تھی۔ اس میں ایک اجلاس شعبۂ اردو کا بھی ہوا تھا۔ اس موقع پر سجاد مرزا صاحب اپنا بنیادی ٹائپ نمائش کے لئے لائے تھے اور اسٹریچی ہال کے برآمدے میں انھوں نے اس ٹائپ سے چھپائی کے نمونے دکھائے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ کچھ لوگوں نے اپنے وزٹنگ کارڈ بھی چھپوائے تھے۔ ان لوگوں میں خواجہ غلام السیدین مرحوم بھی تھے۔ سجاد مرزا صاحب اس وقت بھی ملک کے ماہرین تعلیم میں ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ مجھ پر ان کی شخصیت اور علمی کارناموں کا گہرا اثر ہوا اور اس کے بعد مرحوم سے برابر خط وکتابت رہی۔ میں نے جب اردو رسم الخط پر ہماری زبان میں مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا تو سب سے زیادہ سجاد مرزا صاحب نے اُسے سراہا۔ وہ ہماری زبان میں برابر مراسلات کے ذریعہ سے ہر اہم مسئلے کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے۔ مجھے اس پر فخر ہے کہ سجاد مرزا صاحب نے ہر مرحلے پر خط لکھ کر میری ہمت افزائی کی اور انجمن کے کاموں کے سلسلے میں برابر مفید مشورے دیتے رہے۔ ہر قومی کام میں وہ دامے، درمے، سخنے، قدمے مدد کرتے تھے۔ حیدرآباد میں اردو ہال کی تعمیر کے لئے مولوی حبیب الرحمٰن صاحب نے اپنی زمین دی۔ سجاد مرزا صاحب نے پندرہ ہزار روپے کا گراں قدر عطیہ دیا۔ وہ مشہور انگریزی ناولسٹ ای۔ ایم۔ فارسٹر کے قریبی دوستوں میں سے تھے اور راس مسعود، سجاد مرزا، اور ہارون خاں شروانی سے محبت کی وجہ سے فارسٹر نے اردو ہال کے لئے ایک ہزار پونڈ کا عطیہ دیا تھا۔ حیدرآباد میں کوئی ایسی علمی وادبی مہم نہ تھی جس میں سجاد مرزا صاحب نے ہر طرح رہنمائی اور مدد نہ کی ہو۔ مجھے اس کا رنج ہے کہ ان کے انتقال کا مجھے علم نہ ہوا اور جب میں ۹ر فروری کو حیدرآباد پہنچا تو فضل الرحمٰن صاحب سے ملاقات پر میں نے سجاد مرزا صاحب سے ملنے کے لئے ان کی رہنمائی چاہی۔ جب انھوں نے مجھے بتایا کہ ان کا تو ۲۱ر جنوری کو ہی انتقال ہوگیا تو اپنی لاعلمی پر بڑی ندامت ہوئی۔ سجاد مرزا صاحب جس نسل سے تعلق رکھتے تھے وہ اب رخصت ہوتی جارہی ہے نئی نسل کا فرض ہے کہ وہ سجاد مرزا صاحب کی مثال سے علم کی لگن، اردو زبان وادب سے عشق کے آداب سیکھے

ضرورت ہے کہ ان کے مضامین یکجا کرکے شائع کئے جائیں تاکہ اس محسن اردو کی گراں قدر خدمات کا اعتراف اور عام ہو۔ مجھے ذاتی طور پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں ایک اپنے بزرگ سے محروم ہوگیا جس سے آخر دم تک مجھے روشنی ملتی رہی۔ دسمبر کی اردو کانفرنس کے موقع پر میں نے ان سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنا بنیادی ٹائپ کانفرنس کی نمائش کے لئے بھیجیں اور انھوں نے ازراہ عنایت میری درخواست منظور کرلی تھی اور اس کا انتظام کردیا تھا کہ اُن کے آدمی اس ٹائپ کی نمائش کریں۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ مارچ میں کانفرنس کے موقع پر ضرور اس کی نمائش ہو۔ سجاد مرزا صاحب تو نہ ہوں گے مگر ان کے اس کارنامے کی اہمیت کا اندازہ تو اردو دنیا کرسکے گی۔ آدمی چلا جاتا ہے۔ اس کے کام باقی رہ جاتے ہیں۔ سجاد مرزا صاحب کے کام بہرحال باقی رہیں گے اور اسی وجہ سے اردو زبان کی تاریخ میں ان کا نام بھی زندہ وتابندہ رہے گا۔

اردو کے ناشروں سے اپیل

۱۵ر مارچ ۱۹۷۷ء کو دہلی میں انجمن ترقی اردو (ہند) کی کل ہند کانفرنس کے موقع پر آزادی سے اب تک شائع ہونے والی اردو کتابوں کی ایک نمائش کی جائے گی۔ تاکہ اس مدت میں اردو کتب کی طباعت و اشاعت کے کاموں میں جو وسیع ترقی ہوئی ہے اس کا اندازہ ہوسکے۔ نامساعد حالات کے باوجود مختلف علاقوں کے پبلشروں نے اردو کی علمی وادبی کتابیں شائع کرکے اس زبان کی جو گرانقدر خدمت انجام دی ہے یہ نمائش اس کا ثبوت ہوگی۔

نمائش میں تخلیقی ادب کی نمائندہ کتب کے ساتھ ساتھ سماجی اور سائنسی علوم اور دوسرے اہم موضوعات پر شائع ہونے والی کتابوں کو نمایاں اہمیت دی جائے گی۔ گذشتہ چوتھائی صدی میں جن پبلشروں، اداروں یا افراد نے اردو کتابیں شائع کی ہیں ان سے درخواست ہے کہ وہ ہر کتاب کی ایک ایک جلد بھیج کر اس نمائش کو کامیاب بنائیں۔

اگر پبلشرز چاہیں گے تو نمائش کے بعد کتابیں

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

عبدالغفار عاشق

منشی الٰہی بخش اثرؔ (تلمیذ امیر مینائی)

اور

منشی شیام لال عاصی (تلمیذ غالب)

منشی الٰہی بخش اثرؔ کے آبا و اجداد ریوا اسٹیٹ کے قدیم باشندے اور قوم کے سنہار تھے۔ ان کا شجرۂ نسب حسب ذیل ہے۔

الٰہی بخش اثرؔ بن محمد یٰسین بن غوث محمد بن فیض محمد

محمد یٰسین صاحب ریوا کے بڑے معتبر تاجر اور رئیس تھے۔ محلہ باباکٹرہ ریوا میں ان کی تعمیر کردہ یادگار ایک عالیشان مسجد آج بھی موجود ہے اور یٰسین کی مسجد کے نام سے پکاری جاتی ہے۔

الٰہی بخش اثرؔ محمد یٰسین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اثرؔ کی تاریخ پیدائش معلوم نہیں ہو سکی۔ اُن کے بیٹے رحیم بخش صاحب (جو راقم الحروف کے خالو ہیں) کا بیان ہے کہ شیخ الٰہی بخش اثرؔ ریوا میں پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی تھی۔ اردو، فارسی اور عربی کی اعلیٰ تعلیم علماء وقت سے حاصل کی تھی۔ چونکہ امیرزادے تھے لہٰذا فکر معاش سے دور رہتے تھے۔ ہمیشہ شعر و سخن کی محفل ان کے مکان میں گرم رہتی تھی۔ ادب نواز احباب کا مجمع لگا رہتا، بچپن ہی سے شعر گوئی کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ حضرت امیر احمد امیر مینائی سے شرف تلمذ حاصل تھا جس کی تحریری تصدیق "لکھنؤ کا دبستان شاعری" از ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی مطبوعہ مکتبہ علم و فن ۴۱۵ مٹیا محل دہلی ۶ کے صفحہ ۵۵۸ میں "سلسلہ امیر مینائی (سلسلہ صفحہ ۲) میں مندرج "اثرؔ ریوائی" سے ہوتی ہے۔ حضرت امیر مینائی سے تلمذ کی تصدیق اُن کے ایک مطبوعہ قصیدہ کے آخر کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے

"مسعود قصیدہ ہیچمداں عاصی پر معاصی احقر شیخ الٰہی بخش اثرؔ خلف محمد یٰسین سوداگر ریواں سنگ تلامذہ حضرت امیر مینائی لکھنوی مرحوم و مغفور نور اللہ مرقدہٗ"

حضرت امیر مینائی کے علاوہ جناب نوح ناروی سے بھی انھوں نے فیض سخن حاصل کیا تھا۔ "سفینۂ نوح" میں جو نوح صاحب کا پہلا دیوان ہے ان کا ایک فارسی قطعۂ تاریخ اس طرح چھپا ہے۔

"جناب منشی الٰہی بخش صاحب اثرؔ سوداگر
ریاست ریوان شاگرد جناب امیر مینائی مغفور
ترتیب شدہ کلام نادر
معروف شاہے ہر سخن داں
تاریخ اثرؔ ہمیں بہ گوید
نوح کہ نوشت دیوان"
سنہ ۱۳۲۲ھ یا سنہ ۱۹۰۴ء

الغرض یہ حقیقت پایۂ تحقیق کو پہنچ جاتی ہے کہ اثرؔ ریوائی کو امیر مینائی اور نوح ناروی دونوں سے شاگردی کا شرف حاصل ہوا تھا۔ قیاس کہتا ہے کہ حضرت امیر مینائی کی وفات (سنہ ۱۹۰۰ء) کے بعد اثرؔ نے نوح صاحب سے تلمذ اختیار کیا ہوگا۔

اثرؔ میانہ قد اور دوہرے بدن کے آدمی تھے رنگ گندمی اور چہرہ سجیلا تھا۔ کبھی گھٹنے کاٹ کا پاجامہ اور کبھی دھوتی پہنتے تھے۔ کرتا تنزیب کا ہوتا تھا ٹوپی کالی اونچی دیوار کی لگاتے تھے۔ کوٹ لمبا بند گلے کا استعمال کرتے تھے ورزش اور موسیقی سے بھی شغف رکھتے تھے۔ بچھوا باندھنے کا شوق تھا الٰہی بخش صاحب اثرؔ کا تعلق مہاراجہ ریوا وینکٹ رمن سنگھ صاحب کے دربار سے بھی تھا۔ عبدالرحیم شفق ریوائی مدیر وقائع رنگین اور اثرؔ صاحب اردو اور فارسی شکستہ کی تحریر کو پڑھنے کے لئے بھی اکثر دربار ریوا کی طرف سے بلائے جاتے تھے۔ اثرؔ دربار میں منعقد ہونے والے مشاعروں میں بھی شریک ہوتے تھے اور قصیدے اور غزلیں سنا کر انعام حاصل کرتے تھے۔ ایک درباری مشاعرہ میں دوسرے شعراء شامل ہوئے، انعام اثرؔ صاحب کے نام نکلا۔ مہاراجہ صاحب نے بلا کر انعام کی خوشخبری سنائی تو اثرؔ صاحب نے (جن کی اقتصادی حالت اس وقت اچھی نہ رہی تھی) ملازمت کی درخواست کی اور اُن کو کیمن پور کا تھانیدار بنا دیا گیا۔ اثرؔ نے باپ دادا کے وقت کے قرض داروں میں سے مولا نامی ایک شخص پر نالش کر دی مگر مقروض کے پاس دینے کو کچھ بھی نہ تھا۔ حساس شاعر کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ تمام قرض داروں کے حساب کتاب کو ختم کر کے سب کو سبکدوش کر دیا۔ تنا جن جان مشہور طوائف اکثر اُن کے دولت کدہ پر آیا کرتی تھی اور انھیں بھی اس سے دلچسپی بتائی جاتی ہے۔ اثرؔ صاحب نماز پنجگانہ ادا کیا کرتے تھے

داڑھی ستین چلی ہوئی رکھتے تھے۔

دیوان اثر غزلوں کا مجموعہ تھا۔ غزلوں کے علاوہ قصیدے بھی خوب کہتے تھے لیکن اُن کے خاندان میں اب کوئی بھی کلام محفوظ نہیں ہے۔ "پیام یار" اور "پیام عاشق" میرٹھ میں کلام شائع ہوا کرتا تھا۔

اثر کا انتقال ۱۹۱۹ء میں بمقام ریوا ہوا تھا۔ سپنات کی شکایت تھی ڈاکٹر دوند جیشری پرشاد اور ڈاکٹر یحییٰ علی خاں صاحبان کے زیر علاج تھے مگر دوا دعا بے اثر ثابت ہوئی اور قاضی عیاض علی خاں صاحب کی زوجہ محترمہ کے مزار شریف کے شمال مغرب کی طرف مدفون ہوئے۔ وصیت میں پختہ قبر بنوانے کی ممانعت کر دی تھی۔ محترمہ کا لوح مزار آج بھی محفوظ و موجود ہے۔

منشی شیام لال عاصی شاگرد مرزا غالب دہلوی کے متعلق صاحب "تاج التواریخ" مولانا سید محمد نصرت علی صاحب ابن علامہ زمن محقق کامل الفن امام المناظرہ سید ناصر الدین محمد ابو المنصور مرحوم و مغفور نے اپنی تاریخ مذکور کے باب راجپوتانہ، وسط ہند کے عنوان کے تحت تحریر فرمایا ہے۔

"شیام لال صاحب میر منشی ایجنسی بندیل کھنڈ آپ کے والد منشی سندر لال صاحب وہیں گزرا ایک معزز خاندان سے تھے جن کا سلسلۂ نسب راجہ ترسین دانی اگروہا سے ملتا ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد عہد اسلامیہ میں قدیم سے قانون گوئی کے عہدہ پر رہے لیکن جب سلطنت اسلام کا آفتاب زوال ہوا اور غدر کے پُر آشوب زمانہ نے پلٹا کھایا آپ کے ممبران خاندان راجگان راجپوتانہ و سندھیا وغیرہ کے درباروں میں مختلف عہدوں پر سرفراز رہے اور اپنی نمایاں خدمات کے صلے میں اعزاز و خطاب سے ممتاز ہوتے رہے۔

منشی صاحب سابق میں منشی ایجنسی بندیل کھنڈ تھے۔ فی الحال ریاست پالدیو میں کام داری کے معزز عہدے کی خدمات نہایت تدین اور تدبر سے انجام دیتے ہیں۔ آپ نے بندیل کھنڈ کی ایک جامع تاریخ نہایت تحقیق اور تلاش کے ساتھ لکھی ہے جس سے بندیل کھنڈ کے حالات استخراج کیے ہیں مجھ کو پوری مدد ملی آپ کمال خلیق اور بلند خیال آزاد سے ہیں اور اپنی خدمات مفوضہ کو نہایت خوبی سے انجام دیتے ہیں۔"

"تاریخ بندیل کھنڈ" نولکشور پریس سے ۱۸۸۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کی ایک تاریخ طباعت میں عاصی نے خود غالب سے تلمذ کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"تاریخ ایک اور مری طبع زاد ہے
اظہار سال عیسوی جس سے مراد ہے
تحقیق معتبر سے لکھا ہے تمام حال
دل میرے بشر کا دیکھتے ہے جس کے شاد ہے
دعوی سخنوری کا نہیں مجھ کو زینہار
مرزا ادب سے عرض یہ خاکی نہاد ہے
حاصل مجھے لیاقت ذاتی نہیں دلے
غالب سے فیضیاب یہ ہندی نژاد ہے
عاصی ہے تعمیہ سے عیاں سال عیسوی
تاریخ بے مثال اپنا یہ بالفت کا صاد ہے
۹۰
۱۲۹۴ھ

تاریخ ادب کے ان بکھرے ہوئے حلقوں کو ملانے سے جو زنجیر کی کڑی تیار ہوتی ہے اس سے ہمیں مرزا غالب اور امیر مینائی کے دو غیر معروف مگر اہم شاگردوں کے کلام مضمون، مزاج، شخصیت اور فن کے کچھ خاکے مل جاتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کی جائیں۔

ایک گزارش

ناظرین ہماری زبان و اردو ادب سے گزارش ہے کہ وہ منی آرڈر ارسال کرتے وقت کوپن پر اپنا پتہ ضرور تحریر کریں۔

عرشی زادہ

ایک غزل جو مرثیہ بن گئی

احسان علی خاں احسان رام پوری مرحوم، داغ کے عزیز شاگردوں میں تھے۔ فقیرانہ انداز کی زندگی گزاری۔ وضع قطع سے بھی فقیری کا اظہار ہوتا تھا۔ سر پر سیاہ رنگ کی گول ٹوپی اوڑھتے تھے جس پر سنہرے ڈورے سے کلمۂ طیبہ کڑھا ہوتا تھا۔ اہل بیت سے بہت عقیدت تھی۔ ایک بار انھوں نے اپنے استاد کی ایک غزل کو مخمس کیا، اور مرثیہ بنا دیا۔ غزل اور وہ بھی داغ کی ہو تو مرثیہ بنانا کتنا دشوار ہوگا مگر قارئین ملاحظہ فرمائیں گے احسان نے بڑی ہنرمندی سے یہ کمال دکھایا ہے اور برجستگی و روانی میں کمی نہیں آنے دی ہے۔ چنانچہ داغ نے تضمین کو سن کر بہت داد دی اور کہا کہ اگر میں نے اپنے دیوان میں غزل کو شامل نہ کرایا ہوتا تو تمھیں دے دیتا یہ غزل تو اب تمہاری ہو گئی۔

مجھے یہ تضمین اپنے والد کے حقیقی ماموں مولوی احمد جان خاں وکیل مرحوم سے ملی تھی۔ وہ خود بھی شاعر تھے اور اثر تخلص کرتے تھے۔ داغ، حالی اور شوق قدوائی کا کلام انھیں ازبر تھا۔ ان کے علاوہ بھی اساتذۂ اردو و فارسی کے سیکڑوں منتخب اشعار برنوک زبان رہتے تھے۔ یہ تضمین میں نے ان سے سن کر نقل کر لی تھی۔ احسان کے بارے میں مندرجہ بالا معلومات بھی انھیں کی بتائی ہوئی مجھے یاد رہ گئی ہیں۔ چند روز ہوئے پرانے کاغذات میں یہ مخمس نظر پڑا تو میں نے مناسب جانا کہ ہماری زبان کے ذریعے اسے عام کر دوں۔ امید ہے اسے دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔

شہ کے انصار نہ تھے موت سے ڈرنے والے
سر تہِ خنجر و شمشیر تھے دھرنے والے
کہتے تھے شوقِ شہادت میں یہ مرنے والے
راہ دیکھیں گے نہ دنیا سے گزرنے والے
ہم تو جاتے ہیں ٹھہر جائیں ٹھہرنے والے

رو کے کہتی تھی یہ اکبر سے علی کی جائی
تو نے نانا کی سی صورت ہے سراسر پائی
وہی رنگت وہی کاکل ہیں وہی گویائی
تیرے گیسوئے پریشاں نہ کریں سودائی
سر نہ ہو جائیں کسی کے یہ بکھرنے والے

شہ نے فرمایا عمر و سے کہ نہیں تجھ کو حیا
گھر سے مہمان بلا کر مجھے، یہ جور و جفا
کیا خطوں میں تھا رقم، دل میں تو منصف ہو ذرا
یہی اقرار یہی قول یہی وعدہ تھا
او دغا باز فسوں ساز مکرنے والے

قوم تاریخ رفیقوں سے علی کا جانی
کہتا تھا ہوگا نہ آج اور میسر پانی
ہوگی فردوس میں ہم سب کی جو کل مہمانی
منزلِ عیش نہیں ہے یہ سرائے فانی
رات کی رات ٹھہر جائیں ٹھہرنے والے

شمر نے شاہ سے پوچھا یہ خوشی کیسی ہے؟
آپ کو ایسی مصیبت میں ہنسی آتی ہے
شہ نے فرمایا کہ مردود یہ اس میں فی ہے
قتل ہوں گے ترے ہاتھوں یہ خوشی اس کی ہے
آج اترائے ہوئے پھرتے ہیں مرنے والے

کوچ جب سبطِ نبی نے کیا سوئے جنت
نہ ملا گور و کفن آپ کو بعد رحلت
آتی تھی لب سے یہ آواز کہ رب العزت
غسل میت سے شہیدوں کو ترے کیا حاجت
بے نہائے بھی نکھرتے ہیں نکھرنے والے

چمنِ فاطمہ تاراج ہوا او بلبل
ذبح پیاسے ہوئے شاہ شہدا او بلبل
ان کے ماتم میں ہو مصروف بکا او بلبل
غنچۂ گل میں دھرا کیا ہے بتا او بلبل
تیج میں چند دنوں وہ بھی بکھرنے والے

ان سے احساں تو نہ کہنا کہ کہاں بیٹھ گئے؟
بزمِ شبیر ہے یاں گریہ کناں بیٹھ گئے
ہم نہیں ہیں کہ اٹھے یاں سے وہاں بیٹھ گئے
حضرتِ داغ ہیں بیٹھے وہ جہاں بیٹھ گئے
اور ہوں گے تری محفل سے ابھرنے والے

...تی منزلیں طے کرلی گئیں

غیر ملکی حکومت کے تحت ہم دو صدیوں
...سے زائد عرصے تک صنعتی ترقی کے میدان میں آگے
...بڑھ سکے۔ لیکن آزادی کے بعد پچیس سال کے
...مختصر عرصے میں ہم نے کافی ترقی کی ہے۔

پچھلے پچیس برسوں میں ہماری صنعتی
...پیداوار تین گنا سے بھی زیادہ ہوگئی ہے۔ لوہے و
...فولاد، مشینی اوزاروں، ڈیزل انجنوں، سکوٹروں،
...ٹرانسسٹروں، ٹائروں و ٹیوبوں، ٹی۔وی سیٹوں،
...ایلومینیم اور کھاد کی پیداوار میں نمایاں ترقی
...ہوئی ہے۔

بھارت کی غیر ملکی تجارت کی مالیت اب
...3,400 کروڑ روپے ہے۔ صرف انجینئری سامان
...کی برآمد سے ہی اب بھارت ہر سال 1,100
...کروڑ روپے سے زیادہ زر مبادلہ کما رہا ہے۔ اس طرح
...بھارت کی کل برآمدات کا 40 فیصد سے زیادہ حصہ
...غیر روایتی اشیاء کی برآمد پر مشتمل ہے جبکہ
...4-1947ء میں یہ 5 فیصد سے بھی کم تھا۔

ملک کی معیشت کے اہم ترین شعبوں میں
...اب پبلک سیکٹر کے 116 ادارے کام کر رہے
ہیں اور ان میں 6,500 کروڑ روپے سے زیادہ
سرمایہ لگا ہوا ہے۔ ان کی بدولت بنیادی صنعتیں
نجی اجارہ داری سے آزاد ہیں اور ان پر سرکاری
کنٹرول قائم ہے۔ ان اداروں کا مدعا پیداوار کے
اہم ترین شعبوں میں ملک کو خود کفیل بنانا ہے۔
پبلک سیکٹر کے اداروں میں آج تقریباً
7,50,000 افراد کام کر رہے ہیں جن کی تنخواہوں
اجرتوں کی مجموعی رقم 300 کروڑ روپے سے
زیادہ بنتی ہے۔ کارکنوں کے لئے کام کرنے کی
بہتر سہولتوں، رہائش کی سہولتوں، منصوبہ بند
بستیوں کی تعمیر، طبی سہولتوں، اور سماجی تحفظ
اور فلاح و بہبود کے سلسلے میں دیگر سہولتوں کے
اہتمام میں یہ ادارے نیا معیار قائم کر رہے ہیں۔

غریبی کو دور کرنا، ملک کی معیشت کو خود کفیل بنانا، معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ سماجی انصاف کو یقینی بنانا اور مختلف طبقوں میں عدم مساوات کو کم کرنا ہمارے پانچویں پانچسالہ پلان کے بنیادی مقاصد ہیں۔



انجمن کی خبریں

یوم غالب کی شاندار تقریب

دلّی: مزار غالب واقع بستی نظام الدین پر انجمن ترقی اردو دلی پردیش کے زیر اہتمام یوم غالب کی تقریب ترقی اردو بورڈ کے چیرمین ڈاکٹر عبدالعلیم کی صدارت میں منائی گئی۔ مرکزی وزیر صحت ڈاکٹر کرن سنگھ نے تقریب کا افتتاح کرتے ہوئے غالب کو خراج عقیدت پیش کیا۔ آپ نے کہا کہ غالب کی عظمت یہ ہے کہ ان کی شاعری خوبصورت الفاظ خوبصورت خیالات فلسفہ کی گہرائی اور مشاہدات سے عبارت ہے انھوں نے کہا کہ ہندوستان ایک بڑا ملک ہے اور یہاں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں ملک میں سبھی زبانوں کو ترقی کے مواقع حاصل ہیں۔

صدر ڈاکٹر علیم نے کہا کہ غالب کی عظمت یہ ہے کہ وہ ماضی کا نہیں بلکہ حال کا شاعر ہے اور مستقبل میں بھی اس کی حیثیت قائم رہے گی روسی اسکالر انور عظیم جاوف اور پروفیسر ڈاکٹر شکیل الرحمٰن (کشمیر یونیورسٹی) اور ڈاکٹر گوپی چند نارنگ دلی یونیورسٹی نے کلام غالب کے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال کیا۔ بعد ازاں ایک بزم مشاعرہ کا انعقاد عمل میں آیا۔

• نامہ نگار

انجمن ترقی اردو کی شاخ

شاہجہانپور۔ یہاں گزشتہ ۵ر فروری کو محلہ بادہ زئی پٹھان میں جناب وزیر انجم فاروقی کے زیر اہتمام ایک جلسہ ہوا جس میں شہر کے اردو ادیبوں شعراء اور معززین نے شرکت کی اس موقع پر انجمن ترقی اردو (ہند) کی شاخ قائم کی گئی۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل افراد کو عہدے دار منتخب کیا گیا۔

صدر پروفیسر مسعود عالم نائب صدر۔ پروفیسر مسعود عثمانی سکریٹری۔ سید مشہود جمال۔ جوائنٹ سکریٹری۔ خالد علوی۔ خازن وزیر انجم فاروقی ناظم نشر و اشاعت۔ آصف عارفی بشیر قانونی سید مسعود حسن ایڈوکیٹ۔ ان کے علاوہ پندرہ مزید ممبران عاملہ کا انتخاب عمل میں آیا۔

• نامہ نگار

انجمن ترقی اردو ضلع گیا کا انتخاب

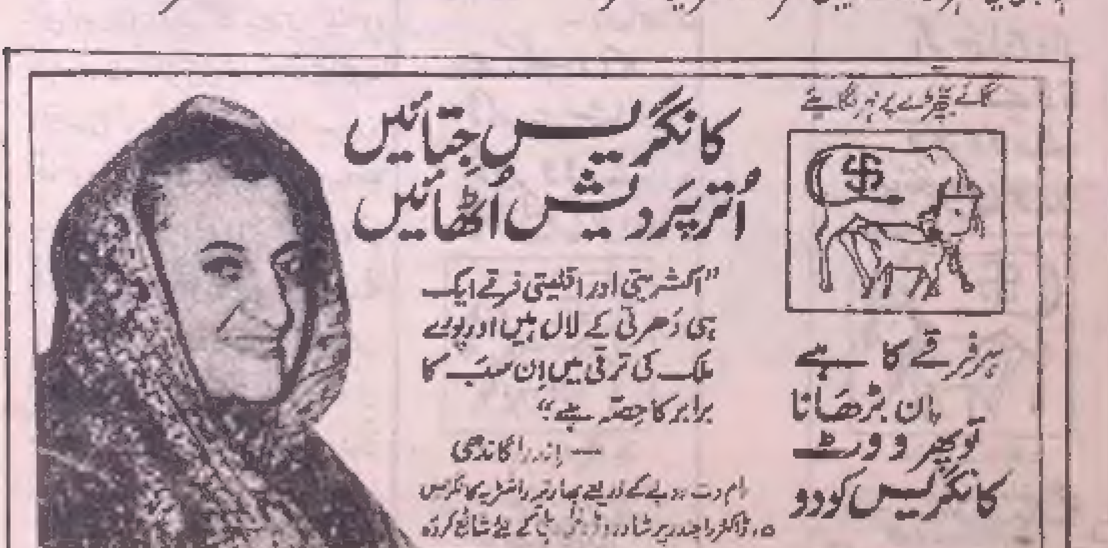
گیا:۔ انجمن ترقی اردو ضلع گیا کا انتخابی جلسہ زیر صدارت الحاج ڈاکٹر سید اظہر حسین صاحب منعقد ہوا۔ متفقہ طور پر درج ذیل انتخاب عمل میں آیا۔

۱۔ صدر۔ پروفیسر ادیب حسن ادیب ۲۔ سکریٹری۔ قسیم الحق گیاوی۔ ۳۔ نائبین صدر:۔ عزیز احمد منیری (گیا) ۲۔ قاضی انوار احمد عرف افروز صاحب (جہان آباد)، ۳۔ پروفیسر سلمان نجمی (شیرگھاٹی)، ۴۔ جناب یوسف قمر انصاری (ٹکاری)، جوائنٹ سکریٹریز:۔ ۱۔ مسعود منظر ایڈیٹر "سہیل" (گیا) ۲۔ محمد خورشید عالم صاحب (شیرگھاٹی) ۳۔ ماسٹر انعام الحق صاحب (جہان آباد) ۴۔ ماسٹر نعیم الدین اثر (ٹکاری)۔

۵۔ سکریٹری نشر و اشاعت:۔ عبدالماجد گیاوی

۶۔ خازن:۔ جناب ضیاء الدین احمد صاحب۔ ان کے علاوہ ۱۵ اراکین مجلس عاملہ کا انتخاب عمل میں آیا۔

• عبدالماجد۔ سکریٹری نشر و اشاعت



انجمن ترقی اردو شاخ شہرگیا کا انتخاب

مقامی شاخ انجمن ترقی اردو شہرگیا کی انتخابی نشست ہوئی۔ اس انتخابی جلسہ میں متفقہ طور پر درج ذیل حضرات کو عہدیدار منتخب کیا گیا۔

۱۔ حضرت علامہ شمس مینائی گیاوی کو صدر، شری جگدیو پرشاد کو نائب صدر اور شاہد احمد شعیب کو سکریٹری منتخب کیا گیا۔

۲۔ صدر اور سکریٹری کو اختیار دیا گیا کہ وہ آپسی صلاح و مشورہ سے اپنی ورکنگ کمیٹی کی تشکیل کریں۔

• عبدالماجد، سکریٹری نشر و اشاعت

کچھ اشعار کو پیش کرتے ہوئے ان کی دلکشی و جاذبیت کو سراہا۔ صدر مشاعرہ جناب ڈاکٹر حسینی شاہد پرنسپل اردو آرٹس کالج حیدرآباد اور جناب ڈاکٹر رضی الدین صاحب صدر شعبہ اردو، فارسی اور عربی تروپتی یونیورسٹی نے بھی جلسہ سے خطاب کیا۔ مشاعرہ میں مقامی اور غیر مقامی مستند و شعرائے کرام نے اپنے کلام سے سامعین کو نوازا۔

• عبدالوہاب تسنیم سکریٹری انجمن

انجمن ترقی اردو شیرگھاٹی کا انتخاب

مقامی شاخ انجمن ترقی اردو شیرگھاٹی کا انتخابی جلسہ جناب ڈاکٹر ظہیر الحسن تشنہ کی صدارت میں ہوا۔ مندرجہ ذیل حضرات کو عہدیدار منتخب کیا گیا۔

۱۔ ڈاکٹر سید نثار الحق صاحب کو صدر اور قمرالزماں خاں صاحب کو سکریٹری منتخب کیا گیا۔

۲۔ صدر اور سکریٹری کو اختیار دیا گیا کہ وہ آپسی صلاح و مشورہ سے زیادہ سے زیادہ ۷ آدمیوں کی ورکنگ کمیٹی بنائیں۔

• عبدالماجد، سکریٹری نشر و اشاعت

انجمن ترقی اردو نیلور کا سالانہ اجلاس اور مشاعرہ

نیلور۔ انجمن ترقی اردو شاخ نیلور کے سالانہ اجلاس کے موقع پر جشن جمہوریہ کی تقریب کے سلسلے میں ایک مشاعرہ زیر صدارت ڈاکٹر حسینی شاہد منعقد ہوا۔ جلسہ کا افتتاح شری گوپال ریڈی صاحب کو کرنا تھا مگر انھیں ایک دوسری اہم تقریب کے سلسلے میں جانا پڑا۔ چنانچہ وہ اپنی طبع کردہ تقریر انجمن کے حوالے کر گئے تھے جو راقم الحروف نے پڑھ کر سنائی۔ موصوف نے اپنی تقریر میں اردو زبان کی مختصر تاریخ اور اردو کی ہندوستان گیر مقبولیت اور غیر فرقہ واریت پر روشنی ڈالی۔ اور غالب اور اقبال کے

اخباروں سے تراشے

صرف اردو کو ناگری میں لکھنے کا مطالبہ کیوں

لکھنؤ، مولد وزیر اعلا جناب ہیم وتی نندن بہوگنا نے آج یہاں مرکزی سیرت کمیٹی کی جانب سے منعقد ہونے والے ایک استقبالیہ جلسے میں تقریر کرتے ہوئے اردو کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں مختلف زبانوں کے بولنے والے رہتے ہیں ہر زبان کو پھلنے پھولنے کا حق ہے لیکن بعض پارٹیاں ہیں جو اردو کی شیرینی کا تو اعتراف کرتی ہیں لیکن اکثریت کی مرضی معلوم کئے بغیر اردو کے حق میں کچھ کہنے سے احتراز کرتی ہیں جبکہ کانگریس نے صاف لفظوں میں اردو کے سوال پر اپنے موقف کو بار بار دہرایا ہے۔

انھوں نے کہا کہ "اردو دوستی" کے سوال پر مجھ پر مخالف پارٹیاں آئے دن لاحول پڑھ رہی ہیں لیکن میں نے لاکھوں آدمیوں کے جلسوں میں یہ بات علانیہ کہی ہے کہ کانگریس اردو کو مرنے نہیں دے گی۔ میں نے اردو مخالفین کو یہ جواب بھی دیا ہے کہ اگر ہندوستان کی دوسری زبانوں کا رسم خط ہندی میں کردو تو اردو کا رسم خط بھی دیوناگری میں کرنے کی بات کرو اور اگر عملی طور پر یہ ممکن نہیں ہے تو پھر خالی اردو ہی پر زد کیوں کر رہا ہے۔

• قومی آواز، لکھنؤ

اپوزیشن پارٹیوں نے اردو کا معاملہ الجھا دیا ہے

نئی دہلی، کل ہند کانگریس کمیٹی نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ اتر پردیش کے انتخابات کے موقع پر فائدہ اٹھانے کے لئے اردو کی حمایت میں آواز اٹھائی جا رہی ہیں لیکن کسی بھی پارٹی نے اپنے ارادوں کے بارے میں وضاحت کے ساتھ کوئی بیان نہیں دیا ہے جناب چرن سنگھ اردو کو ریاست میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کی لمبی چوڑی باتیں کر رہے ہیں۔ تنظیمی کانگریس نے آٹھویں کلاس تک اردو کی تعلیم لازمی قرار دینے کا وعدہ کیا ہے اور پارٹیوں کے علاوہ چرن سنگھ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اردو کو دیوناگری رسم الخط میں تبدیل کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرے گی۔

• دعوت، دہلی

اردو پرائمری اساتذہ کو ۷۰ لاکھ کی گرانٹ

لکھنؤ۔ اترپردیش

حکومت نے رواں مالی سال کے دوران ۲۰ لاکھ ۶۷ ہزار ۲ سو ۲۶ روپئے کی ایک رقم ان ۲۵۹ اردو ٹیچروں کو ہیلپنگ گرانٹ کے طور پر مہیا کی ہے جن کی چوتھے ۵ سالہ منصوبے کے دوران ضلع پریشدوں میونسپل بورڈوں اور کارپوریشنوں نے ریاست کے اپنے اسکولوں میں تقرریاں کیں۔

ضلع پریشد کے دیہی علاقوں کے پرائمری اسکولوں کے ۹۱۱ اردو ٹیچروں کے لئے مجموعی رقم میں سے ۱۰ لاکھ ۷۷ ہزار ۴ سو ۳۴ روپے مہیا کئے گئے ہیں جبکہ ضلع پریشد، میونسپل بورڈوں اور کارپوریشنوں کے شہری علاقوں کے پرائمری اسکولوں کے ۳۴۸ ٹیچروں کے ۱۵ لاکھ ۹۸ ہزار ۸ سو ۹۶ روپے کی رقم مہیا کی گئی ہے۔

• قومی آواز۔ لکھنؤ

اردو کی ترقی کے لئے حکومت بہار کے اقدامات

پٹنہ: بہار کے وزیر مملکت برائے تعلیم شری بھنیشور پرشاد سنگھ نے بتایا کہ پانچویں پنجسالہ منصوبے کے دوران بہار اردو اکاڈمی کے لئے دس لاکھ روپئے مخصوص کئے گئے ہیں۔ پانچویں پنجسالہ منصوبے کے پہلے مالی سال ۷۵-۱۹۷۴ء میں اردو اکاڈمی کو ڈیڑھ لاکھ روپئے کی رقم دینے کے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔

شری بھنیشور پرشاد سنگھ نے کہا بہار اردو اکاڈمی کو اب تک ریاستی حکومت سے ۷۳-۱۹۷۲ء میں ۹۲ ہزار پانچسو اور ۷۴-۱۹۷۳ء میں ایک لاکھ روپے کی امداد دی جا چکی ہے اس کے علاوہ موجودہ مالی سال میں اکاڈمی کے لئے ایک لاکھ ۵۰ ہزار روپے کے لئے بھارت سرکار سے درخواست کی گئی ہے۔

شری سنگھ نے کہا کہ حکومت سرکاری پرائمری اسکولوں میں اردو اساتذہ کے لئے سات سے دس فی صد تک نشستوں کو مخصوص کر دینے کی ہدایت پر پوری طرح عمل درآمد کرانے کا تہیہ کر چکی ہے۔ اس سلسلے میں تمام اضلاع کے حکام کو جلد از جلد اعداد و شمار پیش کرنے کو کہا گیا ہے

کہ کس ضلع میں کتنے فی صد اردو ٹیچروں کی بحالی ہوئی۔ اور جہاں کم بحالی ہوئی اس کے کیا وجہ ہے اس کے علاوہ بھاگلپور یونیورسٹی میں اردو میں پوسٹ گریجویٹ کی تعلیم شروع کرنے، ہائی اسکولوں میں اردو تعلیم کی سہولت فراہم کرنے اور ضلع تعلیمی پلاننگ بورڈ میں بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کے نمائندہ کو رکھنے وغیرہ سوالوں پر حکومت سنجیدگی کے ساتھ غور کر کے جلد ہی فیصلہ کرے گی۔

شری سنگھ نے بتایا کہ ریاستی انجمن ترقی اردو کے نمائندوں نے گزشتہ ماہ اپنے جو مطالبات پیش کئے تھے ان پر پوری طرح عمل کرنے کے لئے مناسب کارروائی جاری ہے۔

• شاہین۔ پٹنہ

سید امتیاز علی تاج کے قاتلوں کی گرفتاری

نئی دہلی

لاہور کے محکمہ خفیہ نے اردو کے ممتاز ادیب اور ڈرامہ نویس سید امتیاز علی تاج مرحوم کے قتل کے شبہ میں مرحوم کے دو بھتیجوں محمد نسیم اور محمد سلیم کو گرفتار کر لیا ہے پولیس کی تفتیش کے مطابق مرحوم کے بھتیجوں نے جائداد حاصل کرنے کے لئے مرحوم کی صاحبزادی یاسمین سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تھا جسے مرحوم نے قبول نہیں کیا تھا۔

سید امتیاز علی تاج کو ۱۹ اپریل ۱۹۷۰ء کی رات کو ان کے مکان واقع لاہور میں ان کی اہلیہ سمیت چاقو مار کر شدید زخمی کر دیا گیا تھا۔ سید امتیاز علی تاج زخموں کی تاب نہ لاکر اسی دن ہسپتال میں فوت ہو گئے تھے۔

• قومی آواز۔ لکھنؤ

صفحہ ۱۲ سے آگے

پھیلنے میں ممد و معاون ہوجاتی ہے، یہی نہیں بلکہ شرکی جبلت اور بارِ گزار بن جاتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں، ہر سطح پر جس طرح اور جس جس شکل میں بے اصولی، بے قاعدگی، بد دیانتی، ہوس، ظلم، بخیل اور پروان چڑھ رہا ہے اس کا سب سے بڑا سرپرست یہی سکوت ہے۔ وہ بھی جو سماجی برائیوں اور اخلاقی جرائم سے نفرت کرتے ہیں مگر اظہار نہیں کرتے، حالات کا جبر سمجھ کر سب کچھ چپ چاپ سہہ لیتے ہیں جرائم و معائب میں برابر کے شریک ہیں ؎

قہر پر کچھ نہ کہے جو وہ ہے قاہر کا شریک
جبر کو سہہ لے جو چپ چاپ وہ جابر کا شریک

خاموشی نیکی ہے، مگر منفی اخلاقی نیکی۔ دروغِ مصلحت آمیز کو سعدی نے راستیٔ فتنہ انگیز سے بہتر کہا ہے لیکن دروغِ مصلحت آمیز بذاتِ خود مثبت اخلاقی قدر نہیں بن سکتا۔ خاموشی دروغِ مصلحت آمیز ہی ہے۔ جس معاشرے میں اخلاقی اقدار کا احساس مر چکا ہو، وہیں خاموشی کو نیکی سمجھا جائے گا۔

ہمارے سماج میں اخلاق کا تصور عموماً منفی نوعیت کا ہے۔ بزدلی کو مروّت، ظلم کے خلاف کچھ نہ کہنے کو شرافت، شر سے صلح کر لینے کو عاقبت اندیشی، ریاکاری کو وسیع المشربی، جھوٹ کو تدبر و سیاست اور جبر و ظلم کو حسنِ انتظام کا نام دے دیا جاتا ہے۔ منفی اخلاقی تصورات کے نظام ہی میں خاموشی کو اعلیٰ قدر سمجھا جا سکتا ہے۔

سارتر کی مملکتِ سکوت پڑھ ڈالیے۔ نازی جرمنی کے فاشی طریقۂ انتظام کو اس نے سکوت کی مملکت کہا ہے۔ اس مملکت میں لب کشائی موت اور خاموشی نجات تھی۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں لب آزاد ہوں وہاں انصاف ہے یا اس کا امکان ہے۔ جہاں خاموشی ہے وہاں یقیناً ظلم ہے، شر ہے اور خوف و مصلحت ہے۔

سخن کے معنی بے جا زور کلام نہیں۔ کبھی کبھی سخن سکوت کو بھی اپنی زبان بنا سکتا ہے جیسے کینیڈی جاہل یا کم مایہ کی لن ترانیوں کے جواب میں سکوت تحقیر و تنقید کی زبان بن سکتا ہے۔ لیکن یہ سکوت معنی اور نیکی کا حامل اسی وقت بنتا ہے جب وہ سخن بن جائے، پردۂ سخن نہ رہے۔

اگر ہمارے یہاں آج سخن ہدفِ ملامت ہے، زبان کشائی عیب ہے تو اسے ہمیں قانون سمجھ کر سرِ تسلیم خم نہیں کرنا چاہیے بلکہ سوچنا چاہیے کہ سکوت پر ہمارا معاشرہ اتنا اصرار کیوں کرنے لگا ہے؟ اس سوال پر انھیں خصوصیت سے توجہ کرنا چاہیے جو خود کو سخنور کہتے ہیں اور جن کے الفاظ کو کلام کہا جاتا ہے۔

صفحہ ۲ سے آگے

بحفاظت واپس کر دی جائیں گی۔ ورنہ انھیں انجمن ترقی اردو ہند کے کتب خانے کے لئے ہدیہ تصور کیا جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مرسلہ کتابیں مقامی کتب فروشوں کے ہاتھ فروخت کرکے قیمت بھیج دی جائے۔

کتابیں اس پتہ پر بھیجئے: ڈاکٹر خلیق انجم۔
انجم لاج۔ کلاں محل۔ دہلی ۲

• قمر رئیس، کنوینر نمائش کمیٹی

ڈاکٹر وحید اختر

میرا صفحہ

ہمارے معاشرے میں خاموشی ایک مثبت قدر، خیر اور عقل سمجھی جاتی ہے اگر خاموشی اتنی بڑی نیکی ہے تو پھر سخن، تخلیق کا ہم پایہ کیسے قرار پایا؟ یہ کیوں کہا گیا کہ "سب سے پہلے خدا نے لفظ پیدا کیا"؛ لفظ خاموشی کی مہر کو توڑتا ہے۔ سخن خاموشی کے اندھیرے میں چراغ روشن کرتا ہے۔ اس لیے سخن سکوت سے، لفظ عدم سے افضل ہونا چاہیے۔

صوفیا نے عرفان کے مختلف مدارج میں سے ایک وہ بیان کیا ہے جہاں زبان خوب کھل جاتی ہے، اور ایک وہ جہاں زبان بند ہو جاتی ہے۔ یعنی ایک منزل پر سکوت عرفان ہے تو دوسری منزل پر سخن۔ سکوت کو بھی عرفان ماننے کے باوجود اسے سخن سے کمتر ماننا پڑے گا۔ عارفین اور پیغمبروں میں ایک فرق بیان کیا گیا ہے کہ جس منزل سے معرفت کے بعد عارفین دنیا کی طرف واپس نہیں آتے، وہاں سے پیغمبر دنیا کے لیے پیغام لے کر واپس آتے ہیں۔ اس طرح پھر سخن کی فضیلت ماننی پڑے گی۔ پیغمبر اس لیے افضل ہے کہ وہ دوسرے عرفاء کے سکوت کے مقابلے میں سخنور ہے۔ وہ اپنے تجربے اور عرفان کو لفظوں میں ڈھال کر دوسروں کے دلوں میں اپنے عارفانہ تجربے کی شمع جلا سکتا ہے جبکہ اس سے کمتر درجے کے عارفین یہ نہیں کر سکتے۔ پیام سخن ہے اور پیغمبر سخنور۔

تمام مذاہب میں خدا کی ایک صفت کلام مانی گئی ہے، اور اس کا کلام آسمانی صحائف کی صورت میں انسانوں کے لیے روشنی بھی ہے اور سرمایۂ نجات بھی۔ شر کی قوتوں سے کوئی کلام کبھی منسوب نہیں کیا گیا۔ کلام نیکی کی علامت بن سکتا ہے اور خاموشی شر کی۔ لیکن اس کے برعکس عموماً خاموشی کو نیکی ہی نہیں عقل اور علم کی بھی علامت سمجھا جاتا ہے فرانسس بیکن نے اسی پر جھنجھلا کر کہا تھا کہ "خاموشی اگر نیکی ہے تو احمقوں کے لیے جو انھیں عقلمند بناتی ہے جبکہ عقلمند خاموش رہیں تو بیوقوف نظر آتے ہیں۔" بیکن کا یہ قول سرے سے غلط نہیں ہے۔ اگر سکوت کا ایک محل ہے تو سخن کا بھی ایک محل ہے۔ سخن کے محل پر سکوت نہ عقل ہے نہ خیر۔

خاموشی ہمارے موجودہ معاشرے میں ظلم، بے حسی، ناانصافی، مصلحت اور بزدلی کا پردہ بنتی جا رہی ہے۔ کہیں کوئی ظلم ہو رہا ہے، عقل کہے گی کہ اس کے خلاف آواز اٹھاؤ، مصلحت کہے گی کیوں جھگڑے میں پڑتے ہو، خاموش رہو۔ کہیں کوئی ناانصافی ہو۔ شر پھل پھول رہا ہو، وہاں بزدلی شر کے خوف سے سکوت اختیار کرے گی اور جرأت اظہار کی راہ تلاش کرے گی۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ خاموش رہنے والا عام طور سے عقلمند اور نیک سمجھا جاتا ہے۔ اور ظلم، ناانصافی، شر پر بے تنقید و تعریض وا کرنے والا مصلحت ناآندیش، شر پسند، نکتہ چیں، عیب بیں۔ جو شخص اپنے معاملات کے علاوہ دوسروں کے معاملات پر بھی عدل و ظلم کے نقطۂ نظر سے اظہار خیال یا احتجاج کرے، خیر خواہ اسے مشورہ دیتے ہیں کہ یہ مصلحت کے خلاف اور اپنے ساتھ دشمنی ہے۔ زیادہ صاف گو اور بے تکلف بزرگ اور دوست ایسے حق گو کو بے تکلف احمق بھی کہہ دیتے ہیں۔

دنیا کی تاریخ ایسے ہی لوگوں نے بنائی اور بدلی ہے جنھیں روایت پرست، مصلحت اندیش، جرأت اظہار و آزادی کردار سے تہی بزدل زبانیں دیوانہ سمجھتی اور کہتی رہی ہیں۔ سخن دار و رسن کی آزمائش سہی، لیکن سخن تبدیلی و اصلاح کا پیش خیمہ بھی ہے سکوت میں عافیت سہی، لیکن یہ جمود اور عدم تغیر کی بھی علامت ہے۔ جس عمل کو تخلیق کہا جاتا ہے وہ فطرت کا بے آواز سخن ہے، اور جسے جمود کہتے ہیں وہ ارتقاء کے خلاف مزاحمت کرنے والا سکوتِ فطرت ہے۔ سخن روشنی کی زبان ہے جو اشیاء، مظاہر، اشخاص، حقائق اور اعمال کو اندھیرے سے نکالتی ہے۔ سکوت اندھیرے کا پردہ ہے جو تمیز خیر و شر، امتیاز حسن و قبح، تفریق ظلم و عدل کو مٹا دیتا ہے۔

سکوت اکثر صورتوں میں مصلحت اور بزدلی کا حیلہ ہوتا ہے۔ مصلحت اقتدار کو ناخوش کرنا نہیں چاہتی، بزدلی کوئی خطرہ مول نہیں لیتی۔ سکوت میں دونوں کی عافیت ہے۔ اس طرح خاموشی ناانصافی اور ظلم کے پھیلنے، بڑھنے، پھولنے

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔ اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو علی گڑھ سے شائع کیا